# سورۃ العلق

سورۃ العلق مکیۃ وھی تسع عشرۃ آیۃ

سورۂ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ اِقْرَأْ وَ
پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانیوالا بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے پڑھ اور
رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ كَلَّا
تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا کوئی نہیں
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾
آدمی سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ﴿١١﴾
تو نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر
اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ
یا سکھاتا ڈر کے کام بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا یہ نہ جانا کہ اللہ
يَرٰى ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾
دیکھتا ہے کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار
فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدۃ
اب بلالیوے اپنی مجلس والوں کو، ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو، کوئی نہیں مت مان اسکا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو

## خلاصۂ تفسیر

اقرأ سے مالم یعلم تک سب سے پہلی وحی ہے جس کے نزول سے نبوت کی ابتدا ہوئی جسکا قصہ حدیث شیخین





میں یہ ہے کہ عطاء نبوت کے قریب زمانے میں آپ کو از خود خلوت پسند ہوگئی، آپ غارِ حرا میں تشریف لیجا کر کئی کئی شب رہتے، ایک روز دفعۃً جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ اقرأ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا کہ ما انا بقارئ، یعنی میں کچھ پڑھا ہوا نہیں، انھوں نے خوب آپ کو زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا اقرأ، آپ نے پھر وہی جواب دیا، اسی طرح تین بار کیا پھر آخر میں دبانے کے بعد چھوڑ کر کہا اقرأ الی مالم یعلم۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (پر جو) قرآن (نازل ہوا کریگا جس میں اسوقت کی نازل ہونے والی آیتیں بھی داخل ہیں) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے جیسا کہ اس آیت میں اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ الخ میں قرآن کے ساتھ اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور ان دونوں امر سے جو اصل مقصود ہے یعنی توکل واستعانت وہ تو واجب ہے اور زبان سے کہہ لینا مسنون و مندوب ہے اور گو اصل مقصود کے اعتبار سے اس آیت کے نزول کے وقت بسم اللہ کا آپکو معلوم ہونا ضروری نہیں لیکن بعض روایات میں اس سورت کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نازل ہونا بھی آیا ہے اخرجہ الواحدی عن عکرمۃ والحسن انہما قالا اول ما نزل بسم اللہ الرحمن الرحیم واول سورۃ اقرأ واخرجہ ابن جریر وغیرہ عن ابن عباس انہ قال اول ما نزل جبرئیل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا محمد استعذ ثم قل بسم اللہ الرحمن الرحیم کذا فی روح المعانی، اور ان آیتوں میں جو قراءۃ کو اسم الٰہی کے ساتھ افتتاح کرنے کا حکم ہوا ہے اس حکم میں خود ان آیتوں کا داخل ہونا ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اِسْتَمِعْ مَا اَقُوْلُ لَکَ یعنی میں جو کچھ تجھ سے کہوں تو اس کو سُن، تو خود اس جملہ کے سُننے کا حکم کرنا بھی اس کو مقصود ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ خواہ ان آیتوں کو پڑھو یا جو آیات بعد میں نازل ہوں گی ان کو پڑھو سب کی قراءت اسم الٰہی سے ہونا چاہیئے اور آپ کو بعلم ضروری معلوم ہوگیا کہ یہ قرآن اور وحی ہے۔ اور حدیثوں میں جو آپ کا ڈر جانا اور ورقہ ابن نوفل سے بیان کرنا آیا ہے وہ بوجہ شبہ کے نہ تھا بلکہ خوف وہیبت وحی سے اضطراری تھا اور ورقہ سے بیان کرنا مزید اطمینان و زیادت ایقان کے لئے تھا نہ کہ عدم ایقان کے سبب، اور معلم متعلم سے ابجد شروع کرانے کے وقت کہتا ہے کہ ہاں پڑھ، پس اس سے تکلیف مالا یطاق لازم نہیں آتی اور آپ کا عذر فرمانا یا تو اسوجہ سے ہے کہ آپ کو اس جملے کے معنے متعین نہ ہوئے ہوں کہ مجھ سے کیا پڑھوانا چاہتے ہیں اور یہ امر کوئی خلاف شان نہیں ہے یا باوجود تعیین مراد کے اس سبب سے ہے کہ قراءت کا استعمال اکثر لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے معنے میں آتا ہے تو آپ نے بوجہ حرف شناس نہ ہونے کے یہ عذر فرمایا ہو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دبانا بظن غالب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اسلئے ہوگا کہ آپکے اندر بارِ وحی کے تحمل کی استعداد پیدا کردیں اور لفظ ربک سے اشارہ اسطرف ہے کہ ہم آپ کی مکمل تربیت کریں گے اور نبوت کے درجاتِ اعلیٰ پر پہنچادیں گے آگے رب کی صفت ہے یعنی وہ ایسا رب ہے) جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا (اس وصف کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں میں اول ظہور اس نعمت کا ہوتا ہے تو تذکیر میں اسکا مقدم ہونا مناسب ہے

اور نیز خلق دلیل ہے خالق پر اور سب سے اہم اور اقدم معرفت خالق ہے آگے بطور تخصیص بعد تعمیم کے ارشاد ہے کہ) جس نے (سب مخلوقات میں سے بالخصوص) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (اس تخصیص بعد تعمیم میں اشارہ ہو کہ نعمت خلق میں بھی عام مخلوقات سے زیادہ انسان پر انعام ہے کہ اس کو کس درجہ تک ترقی دی کہ صورت کیسی بنائی، عقل وعلم سے مشرف بنایا، پس انسان کو زیادہ شکر اور ذکر کرنا چاہئے، اور تخصیص علق کی شاید اسلئے ہے کہ یہ ایک برزخی حالت ہے کہ اسکے قبل نطفہ اور غذا و عنصر ہے اور اسکے بعد مضغہ اور ترکیب عظام و نفخ روح ہو پس گویا وہ جمیع احوال متقدمہ و متاخرہ کے درمیان ہے آگے قرات کو مقصود اہم قرار دینے کیلئے ارشاد ہے کہ) آپ قرآن پڑھا کیجئے (حاصل یہ کہ پہلے امر یعنی اقرأ باسم ربک سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہاں اصل مقصود ذکر اسم اللہ ہے بلکہ قرات خود بھی فی نفسہا مقصود ہے کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ یہی قرات ہے اور تبلیغ ہی اصل کام صاحب وحی کا ہے پس اس تکرار میں آپ کی نبوت اور مامور بالتبلیغ ہونے کا اظہار بھی ہوگیا) اور (آگے اُس عذر کو رفع کردینے کیطرف اشارہ ہے جو آپ نے اول جبرئیل علیہ السلام سے پیش کیا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے لئے ارشاد فرمایا کہ) آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور وہ ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو نوشتہ) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً و مطلقاً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا (مطلب یہ کہ اول تو تعلیم کچھ کتابت میں منحصر نہیں کیونکہ دوسرے طریقوں سے بھی تعلیم کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، ثانیاً اسباب مؤثر بالذات نہیں، مسبب حقیقی اور علم دینے والے ہم ہیں، پس گو آپ لکھنا نہیں جانتے مگر ہم نے جب آپ کو قرات کا امر کیا ہے تو ہم دوسرے ذریعہ سے آپ کو قرات اور حفظاً علوم وحی پر قدرت دیدیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، پس ان آیات میں آپ کی نبوت اور اُس کے مقدمات و تتمات کا پورا بیان ہوگیا اور چونکہ صاحب نبوت کی مخالفت غایت درجہ کا گناہ اور شنیع امر ہے اس لئے آئندہ آیات میں جن کا نزول آیات اولیٰ سے ایک مدت کے بعد ہوا ہے آپ کے ایک خاص مخالف یعنی ابوجہل کی مذمت عام الفاظ سے ہے جس میں دوسرے مخالفین بھی شامل ہو جاویں، جسکا سبب نزول یہ ہے کہ ایک بار ابوجہل نے آپکو نماز پڑھتے دیکھا کہنے لگا کہ میں آپ کو اس سے بارہا منع کرچکا ہوں، آپ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر اب کی بار نماز پڑھتے دیکھوں گا تو نعوذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھدوں گا چنانچہ ایک بار اس قصد سے چلا مگر قریب جاکر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا، لوگوں نے وجہ پوچھی کہنے لگا مجھ کو ایک خندق آگ کی حائل معلوم ہوئی اور اسمیں پر دار چیزیں نظر آئیں آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے اگر اور آگے آتا تو فرشتے اسکو بوٹی بوٹی کرکے نوچ ڈالتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کذا فی الدر المنثور عن اصحاح وغیرہا من کتب الحدیث ارشاد ہے کہ) سچ مچ بیشک (کافر) آدمی حد (آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو (ابنائے جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے (کقولہ تعالیٰ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا الخ حالانکہ اس استغنا پر سرکشی حماقت ہے کیونکہ کسی کو گو مخلوق سے من وجہ استغنا ہو بھی جاوے لیکن حق تعالیٰ سے





استغنا تو کسی حال میں نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ آخر میں) اے مخاطب (عام) تیرے رب ہی کیطرف سب کا لوٹنا ہوگا (اور اسوقت بھی مثل حالت حیات کے اس کی قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوگا اور اس حالت میں جو اسکو طغیان کی سزا ہوگی اس سے بھی کہیں نہ بھاگ سکے گا پس ایسا عاجز ایسے قادر سے کب مستغنی ہو سکتا ہے تو اپنے کو مستغنی سمجھنا اور اس کی بنا پر سرکشی کرنا بڑی بیوقوفی ہے، آگے بصورت استفہام تعجب ہے اس کی سرکشی پر یعنی) اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندے کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے (مطلب یہ کہ اس شخص کا حال دیکھ کر تو بتلا کہ اس سے زیادہ عجیب بات بھی کوئی ہے حاصل یہ کہ نمازی کو نماز سے روکنا نہایت ہی بری اور عجیب بات ہے، آگے اسی تعجیب کی تاکید و تقویت کے لئے مکرر فرماتے ہیں کہ) اے مخاطب (عام) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ (جس کو نماز سے روکا گیا ہے) ہدایت پر ہو (کہ جو کمال لازمی ہے) یا وہ (دوسروں کو بھی) تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو (جو کمال متعدی یعنی دوسروں کی نفع رسانی ہے اور شاید کلمہ تردید لانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی ہوتی تب بھی منع کرنے والے کی مذمت کے لئے کافی تھی چہ جائیکہ دونوں ہوں اور) اے مخاطب (عام) بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص (منع کرنے والا دین حق کو) جھٹلاتا ہو اور (دین حق سے) روگردانی کرتا ہو (یعنی نہ عقیدہ رکھتا ہو اور نہ عمل، یعنی اول تو یہ دیکھو کہ نماز سے منع کرنا کتنا برا ہے پھر بالخصوص یہ دیکھو کہ جب منع کرنے والا ایک گمراہ اور جس کو منع کر رہا ہے وہ ہدایت کا اعلیٰ نمونہ ہے تو یہ کتنی عجیب بات ہے۔ آگے اس منع کرنے پر اس کو وعید ہے یعنی) کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اسکی سرکشی اور اُس سے پیدا ہونے والے اعمال کو) دیکھ رہا ہے (اور اس پر سزا دیگا، آگے اس پر زجر ہے یعنی اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہئے اور) اگر یہ شخص (اپنی اس حرکت سے) باز نہ آوے گا تو ہم (اس کو) پٹھے پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے (ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جن کو اردو میں پٹھے بولتے ہیں اس کی صفت میں کاذبہ خاطئہ مجازاً فرمایا اور اس کو جو اپنے مجمع پر گھمنڈ ہے اور ہمارے پیغمبر کو دھمکاتا ہے) سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلالے (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے (چونکہ اُس نے نہیں بلایا اس لئے اللہ نے ان فرشتوں کو بھی نہیں بلایا کما روی الطبری عن قتادہ مرسلاً قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لو فعل ابوجہل لاخذتہ الملئکۃ الزبانیۃ عیاناً۔ آگے پھر زیادت زجر کے لئے اس کو تنبیہ ہے کہ اسکو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہئے مگر) آپ (اس نالائق کی ان حرکتوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے اور) اسکا کہنا نہ مانئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا) اور (بدستور) نماز پڑھتے رہئے اور (خدا کا) قرب حاصل کرتے رہئے (اسمیں ایک لطیف وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ آپکو ان لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھیگا کیونکہ نماز سے قرب ہوتا ہے اور قرب موجب عظمت ہے الا لکۃ خاصۃ، پس ایسے امور کیطرف ذرا التفات نہ کیجئے اپنے کام میں لگے رہئے۔)

## معارف و مسائل

**وحی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی وحی** صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف و خلف کا اس پر

اتفاق ہے کہ وحی کی ابتدا سورۂ علق یعنی اقرأ سے ہوئی ہے اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیتیں مَا لَمْ يَعْلَمْ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات نے سورۂ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۂ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف وخلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں (کذا روی عن ابن عباس والزہری وعمرو بن دینار۔ درِّ منثور) اور جن حضرات نے سورۂ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد نزولِ قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے اور وحی کی تاخیر وتوقف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج وغم پیش آیا اسکے بعد اچانک پھر حضرت جبرئیل امین سامنے آئے اور سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسوقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی اور ملاقات جبرئیل سے وہ ہی کیفیت طاری ہوئی جو سورۂ اقراء کے نزول کے وقت پیش آئی تھی جس کا بیان آگے آرہا ہے اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس لحاظ سے اسکو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں اور سورۂ فاتحہ کو جن حضرات نے پہلی سورت فرمایا ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی نازل ہوئی اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (مظہری) صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتدا کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ وحی رؤیائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اسکے مطابق واقعہ پیش آتا اور اسمیں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آجاتا تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنیکا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ نے غارِ حراء کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جسکو جبل النور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دور سے نظر آتی ہے) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ اس غار میں جاکر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل وعیال کی خبرگیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے اور اس وقت کے لئے آپ ضروری توشہ لیجاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ ام المؤمنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لیجاتے یہاں تک کہ آپ اسی غارِ حراء میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ (غارِ حراء میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اسمیں قیام فرمایا۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں اور زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ عبادت جو آپ غارِ حراء میں نزولِ وحی سے پہلے کرتے تھے اسوقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، بعض حضرات نے فرمایا کہ نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام کی شرائع کے مطابق عبادت کرتے تھے مگر نہ کسی روایت سے اسکا ثبوت ہے اور نہ آپ کے اُمّی ہونے کی وجہ سے یہ احتمال صحیح ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اسوقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع





اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (مظہری)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبرئیل امین آپکے پاس آیا، اور آپ سے کہا اقرأ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں (کیونکہ آپ اُمّی تھے، اور جبرئیل امین کے قول اقرأ کی مراد آپ پر اسوقت واضح نہ تھی کہ کیا اور کس طرح پڑھوانا چاہتے ہیں کیا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیں گے جس کو پڑھنا ہوگا اس لئے اپنے اُمّی ہونے کا عذر کردیا) حضرت صدیقہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبرئیل امین نے مجھے آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اسکی تکلیف محسوس ہونے لگی اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو پھر جبرئیل امین نے دوبارہ آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا مَا اَنَا بِقَارِئٍ تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا، اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

قرآن کی یہ (سب سے پہلی پانچ آیتیں) لیکر آپ گھر واپس تشریف لائے آپ کا دل کانپ رہا تھا حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو (حضرت خدیجہ نے آپ پر کپڑے ڈالے) یہاں تک کہ یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوئی (یہ کیفیت اور کپکپی جبرئیل علیہ السلام کے خوف سے نہیں تھی کیونکہ آپ کی شان اس سے بہت بلند وبالا ہے بلکہ اس وحی کے ذریعہ جو نبوت ورسالت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی اسکا بارِ گراں محسوس فرمانے اور ایک فرشتہ کو اُس کی اصلی ہیئت میں دیکھنے سے طبعی طور پر یہ ہیبت کی کیفیت پیدا ہوئی)

حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ افاقہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو غارِ حراء کا پورا واقعہ سُنایا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہوگیا۔ حضرت خدیجہ ام المؤمنین رضؓ نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اُٹھا لیتے ہیں، بے روزگار آدمی کو کسب پر لگا دیتے ہیں مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں (حضرت خدیجہ رضؓ لکھی پڑھی خاتون تھیں اُن کو شاید کتبِ سابقہ تورات وانجیل سے یا اسکے علماء سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی کہ جس شخص کے اخلاق وعادات ایسے کریمانہ ہوں وہ محروم وناکام نہیں ہوا کرتا اسلئے اس طریقہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی)

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بُت پرستی سے تائب ہوکر نصرانی ہوگئے تھے (کیونکہ اسوقت کا دین حق یہی تھا) ورقہ ابن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو اُن کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے، بڑھاپے کی وجہ سے بینائی

جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہ رض نے اُن سے کہا کہ میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سُنو۔ ورقہ ابن نوفل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حال دریافت کیا تو آپ نے غارِ حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے سُنتے ہی کہا کہ یہ وہ ہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتارا تھا کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا، اور کاش کہ میں اُسوقت زندہ ہوتا جبکہ آپکی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے پُوچھا) کیا میری قوم مجھے نکالدیگی، ورقہ نے کہا کہ بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لیکر آیا ہے جو آپ لائے ہیں تو اُس کی قوم نے اُس کو ستایا ہے اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کرونگا مگر ورقہ اسکے چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے اور اس واقعہ کے بعد وحیٔ قرآن کا سلسلہ رُک گیا (بخاری ومسلم) فترتِ وحی کی مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک ہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (مظہری)

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، باسم ربک میں لفظ اسم بڑھانے سے اسطرف اشارہ ہے کہ قرآن جب بھی پڑھیں اللہ کا نام لیکر یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کریں جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے، دوسرا اشارہ اسمیں اُس عذر کے جواب کا ہے جو آپ نے پیش کیا تھا کہ میں قاری نہیں، باسم ربک کے لفظ سے اسطرف اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ آپ اپنی موجودہ حالت کے اعتبار سے اُمّی ہیں لکھے پڑھے نہیں مگر آپ کے رب کو سب قدرت ہے وہ اُمّی شخص کو اعلیٰ علوم اور خطابت کا سلیقہ اور فصاحت وبلاغت کا وہ درجہ دے سکتا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے لکھے پڑھے عاجز ہو جائیں جیسا کہ بعد میں اسکا ظہور ہوا (مظہری) اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے لفظ رب کو خصوصیت سے اختیار کرنے میں اس مضمون کی مزید تائید وتاکید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا پروردگار ہے ہر طرح کی تربیت کرتا ہے وہ اُمّی ہونے کے باوجود آپکے پڑھا بھی سکتا ہے الَّذِي خَلَقَ صفاتِ الٰہیہ میں سے اس جگہ صفت تخلیق کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مخلوقات پر جیسے انعامات واحسانات حق تعالیٰ کے ہیں اُنمیں سب سے پہلا انعام اسکو وجود عطا کرنا ہے جو تخلیق ربانی کے ذریعہ عطا ہوتا ہے، اور اس جگہ خلق کا مفعول یعنی جس چیز کو پیدا کیا وہ ذکر نہیں کی گئی اسمیں اشارہ عموم کیطرف ہے کہ ساری ہی کائنات اُس کی مخلوق ہیں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، الَّذِي خَلَقَ میں پوری کائنات کی تخلیق کا بیان ہوا تھا خَلَقَ الْإِنْسَانَ میں اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ غور سے دیکھو تو پوری کائنات ومخلوقات کا خلاصہ انسان ہے جہان میں جو کچھ ہے اُس کی نظائر انسان کے وجود میں موجود ہیں اسی لئے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے اور انسان کی تخصیص بالذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت ورسالت اور قرآن کے نازل کرنے کا مقصد احکام الٰہیہ کی تنفیذ وتعمیل ہے وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ عَلَق کے معنے منجمد خون کے ہیں انسان کی تخلیق پر مختلف دَور گزرے اور گزرتے ہیں اُس کی ابتدا مٹی اور عناصر سے ہے پھر نطفہ سے اُس کے بعد علقہ





یعنی منجمد خون بنتا ہے پھر مُضغہ گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کیجاتی ہیں۔ علقہ ان تمام اَدوار تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے اس کو اختیار کر کے اسکے اوّل وآخر کی طرف اشارہ ہو گیا۔

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، یہاں لفظ اقرأ کو مکرر لایا گیا ہے جس کی ایک وجہ خلاصۂ تفسیر میں آچکی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلا اقرأ تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا، یہ دوسرا تبلیغ ودعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں۔ اور صفت اکرم میں اسطرف اشارہ ہے کہ تخلیقِ عالم اور تخلیقِ انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جود وکرم ہے، کہ بے مانگے کائنات کو وجود کی نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، تخلیقِ انسانی کے بعد اُس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر وخط سے۔ ابتدائے سورت میں لفظ اقرأ میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتدا ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اسمیں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

**تعلیم کا سب سے پہلا اور اہم ذریعہ قلم اور کتابت ہے**

ایک صحیح حدیث حضرت ابوہریرہ رض کی روایت سے ہے جس میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لما خلق اللہ الخلق کتب فی کتابہ فھو عندہ فوق العرش، ان رحمتی غلبت غضبی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی"

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوّل ما خلق اللہ القلم فقال له اکتب فکتب ما یکون الی یوم القیٰمۃ فھو عندہ فی الذکر فوق عرشہ، یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اُس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھدیں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے (قرطبی)

**قلم کی تین قسمیں**

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اُس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جن سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور اُن کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے (قرطبی)

امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دستِ قدرت سے خود بنائیں اور اُن کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کُن یعنی ہو جا وہ موجود ہو گئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں۔ قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام

**علم کتابت سب سے پہلے دُنیا میں کس کو دیا گیا**

بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابو البشر حضرت آدمؑ

کو سکھایا گیا تھا اور سب سے پہلے انھوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دُنیا میں وہی ہیں (ضحاک) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے ۔

**خط و کتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے**

حضرت قتادہ رح نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دُنیا کے کاروبار درست ہوتے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو اُن چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور اُن کو جہل کی اندھیری سے نورِ علم کیطرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اُس میں بیشمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا ۔ تمام علوم و حِکَم کی تدوین اور اوّلین و آخرین کی تاریخ اُنکے حالات و مقالات اور اللہ تعالےٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دُنیا تک باقی رہیں گی اگر قلم نہ ہو تو دُنیا و دین کے سارے ہی کام معطل ہو جائیں ۔

**علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ خط و کتابت کا بہت اہتمام کیا ہے**

علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ تعلیم خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر اُن کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آجتک شاہد ہیں ۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سیکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں فالی اللہ المشتکیٰ ۔

**رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کتابت کی تعلیم نہ دینے کا راز**

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو لوگوں کے فکر و قیاس سے بالاتر بنانے کے لئے آپ کی جائے پیدائش سے لیکر آپ کے ذاتی حالات تک سب ایسے بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی ذاتی کوشش و محنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کرسکتا ۔ جائے پیدائش کے لئے عرب کا صحرا تجویز ہوا جو متمدن دُنیا اور علم و حکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا اور راستے اور مواصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام و عراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہ تھا ، اسی لئے عرب سب کے سب ہی اُمّیین کہلاتے ہیں ، ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے اور پھر حق تعالےٰ نے ایسے سامان کئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال کوئی علم و حکمت اور خط و کتابت سیکھ لیتا تھا ، آپ کو اُسکے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا ، ان حالات میں پیدا ہونے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاقِ فاضلہ عالیہ کا کس کو تصور ہو سکتا ہے ۔ اچانک حق تعالیٰ نے خلعتِ نبوت سے نوازا اور علم و حکمت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کی زبان مبارک پر جاری فرما دیا ، فصاحت و بلاغت میں عرب کے بڑے بڑے شعراء و بلغاء آپکے سامنے عاجز ہو گئے یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ تھا کہ ہر آنکھوں والا اسکو دیکھ کر یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالاتِ انسانی سعی و عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غیبی عطیات ہیں ، خط و کتابت کی تعلیم نہ دینے میں بھی یہی حکمت تھی (ماخوذ از قرطبی)





عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ، اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم ۔

**ذریعۂ علم صرف قلم نہیں بلکہ بیشمار ذرائع ہیں**

اس آیت میں اسکا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سُبحانہ ہے اور اُس کے لئے ذرائع تعلیم بیشمار ہیں ، کچھ قلم ہی کیساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا ، اسمیں قلم یا کسی دوسرے ذریعۂ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اسطرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اوّل اسمیں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعۂ علم ہے ، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اسکے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائلِ قدرت رکھدیئے جن کا مشاہدہ کرکے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے ۔ پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرما دیا جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں ، ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کیساتھ ہی اپنی غذا کے مرکز یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے پھر چھاتی سے دودھ اُتارنے کے لئے منہ کو دبانا اسکو کس نے سکھایا اور کون سکھا سکتا تھا ، پھر اس کو ایک ہنر رونے کا اللہ تعالیٰ نے اوّل ولادت ہی سے سکھا دیا ، بچے کا یہ رونا اُس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اُس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑجاتے ہیں کہ اس کو کیا تکلیف ہے ۔ اس کی بھوک پیاس ، سردی ، گرمی کی سب ضروریات اسی رو دینے سے ہی پوری ہوتی ہیں ۔ یہ رونے کی تعلیم اس نومولود کو کون کرسکتا تھا اور کس طرح کرتا ۔ یہ سب وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے خصوصاً انسان کے ذہن میں پیدا فرما دیتا ہے ۔ اس ضروری علم کے بعد پھر زبانی تعلیم پھر قلمی تعلیم کے ذریعہ اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مَا لَمْ يَعْلَمْ یعنی جس کو وہ نہیں جانتا تھا اس کے کہنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ عادۃً تعلیم تو اُسی چیز کی ہوتی ہے جسکو انسان نہیں جانتا اس کے فرمانے میں اشارہ اسطرف ہے کہ اس خداداد علم و ہنر کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے ، مَا لَمْ يَعْلَمْ سے اشارہ فرما دیا کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ نہیں جانتا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا یعنی اللہ نے تم کو تمھاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے ، معلوم ہوا کہ انسان کو جو بھی علم و ہنر ملا ہے وہ اُسکا ذاتی نہیں بلکہ سب خالق و مالک کا عطیہ ہے ۔ (مظہری) اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت میں انسان سے حضرت آدم یا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مراد قرار دیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو تعلیم دی گئی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ، اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاءِ سابقین کے علوم اور لوح و قلم کے علوم شامل ہیں کما قال ؎ ومن علومك علم اللوح والقلم

یہاں تک سورۂ اقرأ کی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں ، اس کے بعد کی آیتیں کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں کیونکہ باقی آیتیں آخر سورت تک ابوجہل کے ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ابتداءِ وحی و نبوت میں تو

مکہ میں کوئی بھی آپ کا مخالف نہ تھا سب آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور محبت و تعظیم کرتے تھے، ابوجہل کی مخالفت اور دشمنی خصوصاً نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ اُسوقت کا ہے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت و دعوت کا اعلان فرمایا اور شبِ معراج میں آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

كَلَّآ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ أَن رَّءَاهُ ٱسْتَغْنَىٰٓ، اس آیت کا روئے سخن اگرچہ ایک خاص شخص یعنی ابوجہل کیطرف ہے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی مگر عنوان عام رکھا ہے جس میں عام انسانوں کی ایک کمزوری بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو سیدھا چلتا ہے اور جب اُس کو یہ گمان ہو جائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں سب سے بے نیاز ہوں تو اسکے نفس میں طغیان یعنی سرکشی وغیرہ اور دوسروں پر ظلم وجور کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عموماً مالداروں اور اقتدار حکومت والوں اور اولاد و احباب یا خدام کی کثرت رکھنے والوں میں اسکا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تموّل اور جماعت جتھے کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو نظر میں نہیں لاتے، چونکہ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا کہ مکہ مکرمہ کے خوشحال لوگوں میں سے تھا اور اسکے قبیلے بلکہ پورے شہر کے لوگ اسکی تعظیم و تکریم کرتے اور بات مانتے تھے وہ بھی اسی پندار میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ سیدالانبیاء اور اشرف الخلائق کی شان میں گستاخی کر بیٹھا۔ اگلی آیت میں ایسے سرکشوں کے بُرے انجام پر تنبیہ ہے۔

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ ٱلرُّجْعَىٰٓ، رُجعیٰ مثل بُشریٰ کے اسم مصدر ہے معنے یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کیطرف لَوٹنا ہے، اسکے ظاہر معنے تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا اور اچھے بُرے اعمال کا حساب دینا ہے اسوقت اس طغیانی اور سرکشی کے انجام بد کو آنکھوں سے دیکھ لیگا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اے احمق تو اپنے آپ کو سب سے بے نیاز خود مختار سمجھتا ہے اگر غور کریگا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت و سکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پائیگا، اگر اُسنے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے اور انسانوں کی محتاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پُورا نہیں کر سکتا، اپنے ایک لقمہ کو دیکھے تو پتہ چلیگا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنتِ شاقہ اور مدت دراز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ یہ لقمہ تر ہے جو بے فکری کیساتھ نگل رہا ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمتیں لگا لینا کسی کے بس کی بات نہیں، یہی حال اسکے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اگر تو ان سب کو تنخواہیں دیکر بھی چاہتا کہ اپنے اس کام کو پُورا کرے تو ہرگز تیرے بس میں نہ آتا، ان باتوں میں غور و فکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اسکی تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا نظام خود اسکا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمتِ بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی دل میں ڈالدیا کہ زمین میں کاشت کا کام کرے، کسی کے دل میں یہ پیدا کر دیا کہ وہ لکڑی تراشنے اور نجاری کا کام کرے، کسی کے دل میں لوہار کے کام کی رغبت ڈالدی، کسی





کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کر دیا، کسی کو تجارت و صنعت کی طرف راغب کر کے انسانی ضروریات کے بازار لگا دیئے۔ نہ کوئی حکومت اسکا نظم قانون سے کر سکتی تھی نہ کوئی فرد۔ اسلئے اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ ٱلرُّجْعَىٰٓ یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آجاتا ہے۔

أَرَءَيْتَ ٱلَّذِى يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ، اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک واقعہ کیطرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپکو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپؐ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اسکے جواب اور اُس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں انمیں فرمایا أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ ٱللَّهَ يَرَىٰ، یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اسلئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اُس سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اُس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

لَنَسْفَعًۢا بِٱلنَّاصِيَةِ، سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنے سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں اور ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اسکے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہو کر رہ جاتا ہے۔

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَٱسْجُدْ وَٱقْتَرِب، یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ ابوجہل کی بات پر کان نہ دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

**سجدے کی حالتیں قبولیتِ دُعاء** | ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء، یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اسوقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو اسلئے سجدہ میں بہت دُعا کیا کرو۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں فانہ قمن ان یستجاب لکم، یعنی سجدے کی حالت میں دُعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

**مسئلہ**۔ نفل نمازوں کے سجدہ میں دُعا کرنا ثابت ہے، بعض روایاتِ حدیث میں اس دُعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں اسطرح کی دُعائیں ثابت نہیں، کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

**مسئلہ**۔ اس آیت کو پڑھنے اور سُننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدۂ تلاوت کرنا ثابت ہے واللہ اعلم

تمّت سورۃ العلق ۵ رمضان ۱۳۹۱ھ